

# بد پرہیزی عارت گر عافیت ہے

## روزہ اس کا علاج ہے

تمکین کے یاں اس مسئلہ پر کافی بحثیں رہی ہیں کہ، گناہ اور معصیت کا ترکیب مومن رہتا ہے یا نہ؟ ائمہ اہل سنت و الجماعت کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ مومن ہی رہتا ہے۔

دراصل یہ خالص علمی، کلامی اور فلسفیانہ بحثیں تھیں اور ایک خاص پس منظر میں اٹھیں اور چلتی بنیں۔ معتزلہ اور خوارج وغیرہ۔ ان بحثوں سے مطمئن ہوئے یا نہ؟ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ، اس سے مسلمانوں کے اعمال، کردار اور افکار پر غلط اثرات ضرور نمایاں اور مرتب ہوئے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

ایک شخص چوری کرتا ہے، اسے یہ اندیشہ نہیں رہتا کہ میرے ایمان پر بن جائے گی۔

کوئی جھوٹ بولتا ہے اس کو یہ فکر نہیں ہوتی کہ: میرا ایمان میری جان کو روٹے گا۔

ملک اور قوم یا کسی فرد سے اگر کسی نے کوئی ذریعہ کیا ہے تو وہ مطمئن ہوتا ہے کہ: اتنی

سی بات سے بہر حال وہ کافر نہیں ہو گیا۔

کسی پر ظلم کیا یا اس کا حق مارا ہے تو وہ اپنے ضمیر کو مختلف جیلوں اور بیانون سے دلا سے دے دے کر اس کی غمش سے نجات پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

مسجد میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اگر وہ کسی نمازی کا جو تاجرا لیتا ہے یا اس کی گھڑی وغیرہ غائب کر لیتا ہے تو اس کو اپنی نماز کے ضیاع کا خوف نہیں ہوتا۔

سچ پر جا کر اگر بھارت یا اسرائیل کی طرف سے برادر مسلم ممالک کی جاسوسی کا خانہ ساز فریضہ انجام دیتا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے دل پر بوجھ نہیں آتا۔

بھنگ، چرس، ایفون جیسی مہلک چیزیں اگر پی لیتا ہے تو ان کے انجام بدلے بھی سبھی

نیک لیتا ہے۔

شراب و کباب کا اگر کوئی دور چلا ہے تو سمجھتے ہیں کہ سب خیر ہے۔ صرف یہ نہیں کہ ایمان کا کچھ نہیں بگڑا بلکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اس کی امامت اور تیادت کی اسٹینی حیثیت میں بھی کچھ فرق نہیں آیا۔

سوشلزم یا امپریلیزم سے اگر ان کو کوئی ناٹے جوڑنے کا خیال آیا ہے تو ایمان سے پوچھنے کی انھوں نے کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

بخئی اغراض، وہ اتنا دار ہو یا کوئی کاروبار، ان کی راہ میں اگر کوئی بے راہ ہو جاتا ہے تو ان کو یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ اللہ اور اس کا رسول ناراض ہو جائے گا۔

زکوٰۃ دینے والا چونکہ زکوٰۃ بھی دے رہا ہے، اس سے اسے اس امر کی فکر نہیں ہوتی کہ یہ کٹائی رشوت کی ہے یا چھوٹی تجارت کی ہے۔

روزہ رکھنا ہے تو اب اس سے جھوٹ بول ہو جائے یا کوئی ناجائز دھندا، کسی کا لگہ ہو جائے یا بے جا زیادتی، وہ سمجھتا ہے کہ اتنی سی بات سے کیا فرق پڑتا ہے۔ سب خیر ہے۔

اتحاد ہاتھ لگا ہے یا کوئی معیاری انگری، اب اگر وہ خدا بن کر خلق خدا کا استحصال کرتا ہے تو اس کی بلا سے، وہ سمجھتا ہے کہ بڑے خدا کے ہوتے ہونے، ہمارے چھوٹے موٹے خدا بن جانے سے خدا کا کیا بگڑتا ہے اور ایمان کا کیا جاتا ہے؟

معصیت کے ارتکاب سے گواہ مسلم کا فر نہیں ہو جاتا لیکن یہ بھی ایک سٹے شدہ بات ہے کہ جس طرح صغیرہ گناہ، بار بار کرنے سے صغیرہ نہیں رہتا، اسی طرح کبیرہ گناہ بھی بہ اصرار اور بہ تکرار کرنے سے "کبیرہ" نہیں رہتا بلکہ یہ ایک ایسی بلا بن جاتا ہے جس سے کفریات کی راہ ہموار ہوتی ہے کفر سے وحشت گھٹ جاتی ہے اور انسان کے مومنانہ خاتمہ کا مستقبل خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ اس لیے صرف اس فارمولے پر نہ چھولے رہیں کہ گناہ، گناہ ہوتا ہے۔ کفر نہیں ہو جاتا۔ کفر نہیں ہوتا تو کفر سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں رہ جاتا۔

الغرض حسنت کے ساتھ سینئات، نیکی کے ساتھ بدی، خیر کے ساتھ شر، عمدیت کے ساتھ طغیان، غلامی کے ساتھ سرکشی، اور حق کے ساتھ باطل کی آمیزش، مفاہمت، ٹانگے اور برداشت کی سکت وہ خطرناک بد پرہیزی ہے جس نے روحانی فوائد کو نہ صرف بے اثر کر کے امراض میں غفلت پیدا کر دی ہے بلکہ حسنت اور دینی مکالم حیات کی ناکامی کا بلا جواز ڈھنڈورا بھی پیٹا ہے۔

قرآن میکہ نے اس جاہلیت اور بھیدی ذہنیت کا یوں ذکر کیا ہے، قوم شعیب کے ذکر

میں فرمایا،

قَالُوا لَيْحَيْبُكَ اسْلُوْنَا تَأْمُرُكَ اَنْ نَسْمُرَكَ مَا يَعْبُدُ اَبَاءَنَا اَوْ اَنْ  
تَفْعَلَ فِيْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ (پہلا - ہود ع)

وہ کہنے لگے کہ: اے شیب! کیا تمہاری نماز تم سے تقاضا کرتی ہے کہ جن کو ہمارے آباؤ اجداد  
پر جتنے آنے ہم ان کو چھوڑ بیٹھیں یا اپنے مالوں میں جس طرح (کا تصرف کرنا) چاہیں نہ کریں؟

اصل میں وہ اس خیال میں گمن تھے کہ نمازیں بھی پڑھیں اور اپنی مرضی کے کام بھی کریں بھلی  
چھٹی ہے۔ اس لیے انھیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ: نماز خدا کی سچی غلامی کا مظہر ہے، اس کا تقاضا  
ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اس کی مرضی کو ملحوظ رکھیں، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔

کچھ لوگ بعض سماجی خدمات اور کچھ دوسرے نیکی کے کام کر کے سمجھ لیتے تھے کہ بس میدان رہ  
لیا، اس لیے جو جو حاقاتیں کرتے ان کی وجہ سے ان کو تشویش نہیں ہوتی تھی۔ اس پر حق تعالیٰ  
نے فرمایا:

اَجَعَلْتُمْ سِعْيَابَ الْعَاجِ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَاَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طَلٰلِكُنَّ عِنْدَ اللّٰهِ (توبہ ع)

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے اور (ادب کی حرمت والی مسجد) خانہ کعبہ کے  
آباد رکھنے کو اس شخص (کی خدمات) جیسا سمجھ لیا جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانا اور اللہ کی راہ  
میں جہاد کرنا ہے، اللہ کے نزدیک تو یہ (سب) برابر نہیں۔

مطلب یہ کہ تمہاری یہ خدمات تمہاری دوسری حاقاتوں کا عوض نہیں ہو سکتیں، اور نہ تمہاری جہاد  
کے لیے یہ کافی ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ یہ کارِ خیر، کارِ بد کی آمیزش سے پاک نہیں ہیں۔

ایک اور مقام پر ان کی اس خوش فہمی کا بھی ذکر کیا ہے کہ کارِ بد کر کے یہ ڈھینگیں بھی مارتے  
تھے کہ: ہمارے یہ گناہ معاف ہو ہی جائیں گے۔ ملاحظہ ہو پارہ ۹-۱۰، اعراف ع

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرَوُّوا مِڪْتَبٌ يَّا خُدُوْتَ عَدُوْٓنَ هٰذَا الْاَرْضِ  
وَيَقُوْلُوْنَ سَبِيْعُوْنَ لَنَا۔

”پھر ان کے بعد ایسے ناخلف (ان کے) جانشین ہوئے کہ وہ کتاب کے وارث بنے مگر  
بطور رشوت، اس دنیا کے دونوں (کوئی) چیز ملے تو لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ گناہ تو  
ہمارا معاف ہو ہی جائے گا۔“

یہ خوش فہمی اس لیے پیدا ہو گئی تھی کہ، ان کے نزدیک نیکی کے ساتھ بدی کوئی گزند نہیں پہنچاتی۔ کیونکہ وہ معاف ہو ہی جاتی ہے۔ بہر حال حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ (پ - بقوہ ۷)

”حق کو باطل کے ساتھ گڈ گڈ کر دو“

دینی احکام پر عمل کرنے کے باوجود نیکی رنگ نہیں لارہی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نیکی بے داغ نہیں رہتی، دودھ کے ٹکے میں گندگی تھوڑی سی بھی دودھ کو ناکارہ کر دیتی ہے۔ پھر یہ نیکیاں کیے رنگ لائیں، جب ان کے ہمراہ بدی کی فرمانروائی بھی جاری رہے۔ یہ بد پرہیزی روحانی علاج کے راستے میں حائل ہو رہی ہے، دنیا میں ایسا کوئی بیمار نہیں ہوتا جس کے لیے ڈاکٹر مناسب پرہیزی کی سفارش نہ کریں۔ ایسا بھی کوئی مریض دیکھنے میں نہیں آیا جس کو بد پرہیزی نے کوئی نقصان نہ پہنچایا ہو بالکل یہی کیفیت اسلامی اعمال کی ہے کہ: مسلمان نماز روزہ، حج اور زکوٰۃ، اور دو وظائف اور دوسرے کاریغیر کے ممکن ثمرات اور نتائج حنہ سے بھگننا نہیں ہو رہا، کیونکہ ان نیکیوں کے ساتھ ساتھ بدیوں سے بھی اس کے ناطے خالص استوار ہیں، بلکہ برائیوں کے سلسلے میں جس انہماک، شغف وارتگی، وابستگی اور خلوص کا نذرانہ لادینی اعمال اور امور کے بارے میں اس نے پیش کیا ہے۔ اس کے ہزاروں حصے کا بھی یہاں سراغ اور اتہ پتہ نہیں ملتا۔ ان حالات میں متعلقہ برکات، مکارم اور رحمتوں کا ظہور ہونو کیسے؟ بہر حال دوائی کھانا مشکل نہیں۔ جس قدر اس سلسلے کا پرہیز مزہر آ رہا ہوتا ہے۔ اسلام کی نگاہ سے انسان کی یہ کمزوری پرشیدہ نہیں تھی اور نہ ہی اسلام اس کو نظر انداز کر کے اپنے تشخیص کردہ طرز حیات سے مطلوب مومن کی کشیدگی کے لیے ابن آدم کو مکلف بنا سکتا تھا۔ اس لیے حق تعالیٰ نے پرہیز کے لیے ایک خاص کورس تجویز فرمایا۔ اگر ایک انسان صدق دل سے اس کورس کی تکمیل کر لیتا ہے تو یقین کیجیے! اس سے ابن آدم میں اتنی سکت پیدا ہو سکتی ہے کہ اگر وہ بد پرہیزی سے بچنا چاہے تو اس کے لیے ایسا کرنا نہ صرف آسان ہو گا بلکہ اس سے اس کو ایک گونہ سکون بھی نصیب ہو گا۔

پرہیز کے لیے وہ خاص کورس صوم رمضان ہے۔ عربی میں صوم کے لغوی معنی: کسی کام سے رک جانے اور اس سے باز رہنے کے ہیں۔ اہم راغب لکھتے ہیں:

الصوم في الاصل الامساك عن الفعل (مفردات)

شرع میں اس کے معنی صبح شام تک کھانے پینے، جنسی وظائف اور نامناسب کاموں سے

سے رک جانے کے ہیں۔

وَقِي الشَّرْعُ مَالِكُ الْمُكَلَّفِ بِالنِّيَّةِ عَنِ تَنَاوُلِ الْمَطْعَمِ وَالشَّرْبِ وَالِاسْتِمْنَاءِ  
وَالِاسْتِقْبَاءِ مِنَ الْفَجْرِ إِلَى الْمَغْرِبِ (مغروحات)

حضور کا ارشاد ہے:

مَنْ نَكَمَ يَدْعُ قَوْلَ الزُّورِ وَالْمَمَلَّ بِهٖ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَمَاحَ  
طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ (رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ)

دُور سے مراد ہر وہ چیز ہے جو حق سے مختلف ہو۔ جھوٹ، باطل اور بے سوچاوت، سب کو  
زور کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے جو شخص حق کا حامل ہے، باطل سے اس کے یارنے، اس کے لیے سخت  
مہلک ہیں، ایسے شخص کی ساری کمائی ضائع ہو جاتی ہے۔ سخت رائیگاں جاتی ہے اور اس کے مستقبل  
کو مزید بوجھیل بنا کر رکھ دیتی ہے۔

لغت اور حدیث کی ان تفسیرات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ماہِ رِضَانِ کے روزے  
”بد پرہیزی“ جیسی ٹھوٹے بد سے ناطے توڑنے کے لیے ایک اسلامی کورس ہے۔

اس پرہیزی کے تین درجے مقرر کیے گئے ہیں۔ امام محمد بن عثمان بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے عین العلم  
میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

ادنی درجہ اور کم از کم مرتبہ پرہیزی کا یہ ہے کہ (دن بھر) وہ کھانے پینے اور جنسی عمل سے  
باز رہے۔

وَادْنَى دَرَجَتِهِ الْكَفَّ عَنِ الشَّهَوَاتَيْنِ وَهُوَ مَنَاطُ الْجَوَازِ ۱۲۵

دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے تمام اعضاء کو گناہوں سے باز رکھے۔

ثَوَكْفُ الْجَوَارِحِ عَنِ الْأَثْمِ وَهُوَ مَنَاطُ الْقَبُولِ ۱۲۶

سب سے اعلیٰ اور اونچا مرتبہ یہ ہے کہ انسان نفس کو ماسوی اللہ (کی غلامی) سے بھی  
روک دے اور باز رکھے اور بالکل امید و بیم کے عالم میں رہے۔

ثَمَّ كَفَّ النَّفْسَ عَمَّا سِوَاةِ تَعَالَى... وَحَقَّقَانَ لِحَافِ الرَّدِيِّ وَجِوَالِقَبُولِ

(عین العلم ص ۱۲۴-۱۲۵)

روزے کا یہ وہ اونچا مقام ہے کہ جو توش قسمت صلحاً اس مقام پر فائز ہو جاتے ہیں،  
ان کے روزہ رکھنے اور چھوڑنے کے انداز بھی بدل جاتے ہیں، وہ اب اگر ماسوی اللہ پر توجہ مرکوز

اور اس میں دلچسپی کا ارتکاب کرے گا تو وہ اسے اپنے سخی میں یہ تصور کرے گا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے۔ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ عین العلم کے مندرجہ بالا مقام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔  
 توضیحہ ان یصوم قلبہ . . . . عن الہم الانیئۃ والافکار المدنیویۃ ویکنف  
 عن سوی اللہ تعالیٰ بالکلیۃ ویحصل الفطر فی ہذا الصوم بالکفر فی غیر صفات اللہ  
 تعالیٰ وایاتہ ورسوعاتہ والیوم الآخر و مقاماتہ وبالفکر فی اموال دنیا و شہواتہ  
 و لہواتہ اللادنیۃ ترا دلدین ضروریاتہ فان ذلک زاد الاخذۃ و مقدماتہ حتی  
 قال ادیاب القلوب من تحرکت ہمتہ بالتصوف فی ظہارہ بتدبیر ما یستعمل فی  
 اخطا و کتب علیہ خطیئۃ من اذارہ فان ذلک من قلة الوثوق بفضل اللہ و کرمہ  
 و قلة الیقین بذمہ و وعدہ (شرح عین العلو للہدای علی قاری)

گو یہ بہت بڑا اونچا مقام ہے، جس پر صرف علمائے امت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی  
 پورے اتر سکتے ہیں۔ تاہم یہ بھی پرہیز کی ایک اونچی سطح ہے جو شخص اتنی اونچی پرواز کی سکت  
 اور توفیق پاتا ہے اس کو اس میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

مدیث میں آیا ہے:

فَاِنَّهُ بِنِيَّ حَانَا اَجْنُوِي بِه (بخاری و مسلم عن ابی ہریرۃ)

”کیونکہ وہ (روزہ) میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزاؤں گا۔“

”میرے لیے ہے“ کے جملے میں یہی ”سرا در راز“ پوشیدہ ہے کہ اس نے محض خدا جوئی، خدا یا بی

اور رضا کے لیے ”ماسوی اللہ“ کی ہر اس چیز سے ایک حد تک ناطے توڑ لیے جو کسی بھی درجہ میں  
 ”سیرا الی اللہ“ جیسے پاکیزہ سفر کو بوجھل بنا سکتی ہے۔ ظاہر ہے یہ اس پرہیز کی وہ معراج بریں ہے  
 جس پر انسان فائز ہو کر ملائکہ سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ جہاں روزے دار نے محض  
 میرے لیے ان تمام ”عجایات“ کو پھاڑ ڈالا تھا، جو میرے راستہ میں حائل ہو سکتے تھے تو اب میں ان  
 کو بلا واسطہ کیوں نہ نوازوں؟

قرآن حکیم نے بھی ماہ رمضان کے روزے کی غایت یہی پرہیز بتائی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (پ۔ بقرہ ۱۸۳)

مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کیے گئے تھے تم پر بھی فرض کر دیے گئے

ہیں تاکہ تم پر ہیز گاری کو رو

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس پر لکھتے ہیں۔

یعنی روزے سے سلیقہ آ جاوے گی روکنے کا تو ہر جگہ روک سکو۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر ہیز اور روکنے کے کچھ نمونے بھی ذکر فرمائے

ہیں جن میں تقریباً تقریباً اصولی یا تمیں سب آجاتی ہیں۔

سب سے پہلے آپ نے روزے کی ماہیت اور حقیقت بیان فرمائی کہ:

روزہ صرف کھانے پینے سے باز رہنے کا نام نہیں بلکہ صحیح روزہ لغو اور رفت سے روکنے

کا نام ہے

ليس الصيام من الاكل والشرب انما الصيام من اللغو والرفث (مواد لفظیات) ۲۱۵

لغو سے مراد، ہر وہ بات ہے جو دینی مال کے اعتبار سے بے فائدہ اور لا حاصل ہو۔

رفت سے مراد بازاری گفتگو اور بات چیت ہے۔

فرمایا: جس دن تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو اسے بازاری گفتگو کلام اور چلانی اور شولہ

سے پر ہیز کرنا چاہیے، اگر کوئی شخص تم سے گالی گلوچ اور لڑائی بھگڑے پراتر آئے تو تم جواب میں

صرف آنا کہو کہ: بھئی! میں روزے سے ہوں! حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اذا كان يوم صوم احدكم فلا يرفث ولا يصخب فان سابه احد اذقاته

فليقل اني امرؤ صائم (بخاری ص ۲۵۵)

مسلم شریف میں ولا يصخب کے بجائے ولا يجهل بھی آیا ہے، یعنی جہالت نہ کرے، جہل سے

مراد ایسی حرکت ہے جو نیچیدگی، آدمیت، ہوش اور مناسب رویے کے خلاف ہو۔

اذا اصبح احدكم يوماً صائماً فلا يرفث ولا يجهل الحدیث (مسلم ص ۳۶۳)

اہم نووی فرماتے ہیں:

والجهل قريب من الرفث وهو خلاف الحكمة وخلاف الصواب من القول

والفعل (شرح مسلم ص ۳۶۳)

آپ نے فرمایا: روزہ اس وقت تک ڈھال کا کام دیتا ہے جب تک کوئی اس کی دھیلا

نہ کیجیے۔ دے۔ یعنی گلہ اور جھوٹ نہ پکے۔

الصيام حنة ما لو يخرقها رداة النسائي (ص ۲۵۳) قال الدادمي: يعني بالغيبة (دادمی) ۱۵

رواۃ الطبرانی فی الادسط من حدیث ابی ہریرۃ و زاد: قیل وبسم لیخوقھا قال  
بکذب اوبغیبتہ والترغیب والترہیب للنذری ص ۲۱۹ طبع ہند

دو خواتین روزہ رکھ کر مرنے والی ہو گئیں حضور کو بتایا گیا تو آپ نے ان کو بلوایا بھیجا اور ایک ایک  
سے فرمایا کہ تم کرسے، چنانچہ ان کی تہے میں پیپ، خون، گوشت اور خون ملی ہوئی پیپ نکلی، آپ  
نے فرمایا: کہ انھوں نے حلال چیز سے روزہ رکھ لیا تھا مگر حرام چیز سے کھول لیا تھا یعنی لوگوں کے گلے کیے تھے۔

فقات قیوم و دم و صدید و لحم عبیط و غیرہ حتی ملأت القدر ثم قال ان  
ہاتین صامتا عما احل اللہ لہما و افطرتا علی ما حرم اللہ علیہما جلست احدیہما الی  
الآخری فجعلتا تا کلان من لحم الناس رواۃ احمد، الترغیب و المنزہیب ص ۲۱۹

الغرض: ماہ رمضان کے روزے سے جہاں اور بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں وہاں اصولی طور  
پر ان سے غرض مناسب پر نیزہ کی سکت پیدا کرنا ہے تاکہ انسان کتاب و سنت کے احکام اور  
شرائع کو اختیار کر کے بوجہ بد پر نیزی جیتی ہوئی بازی مار نہ دے کیونکہ بد پر نیزی کی موجودگی میں  
دوا کام نہیں دیتی۔ بسا اوقات اس کو تاہی کی وجہ سے مرض اور خطرناک لائنوں پر پڑ جاتا ہے  
اور قوت بخش اور پاکیزہ غذا گندگی کے چند پھینٹوں کی وجہ سے نہ صرف بیکار ہو جاتی ہے بعض  
اوقات متعفن بھی ہو جاتی ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ کتاب و سنت کے اعمال اور سنون طرز حیات رنگ لائیں اور یہ  
اکسیریں مٹی کی حقیر ڈھیری بن کر حسرت و حرام کی موجب نہ بنیں تو پھر ضروری ہے کہ آپ بد پر نیزی  
ترک کر دیں، نیکی کے ساتھ بدی کا ارتکاب نہ کریں۔ ماہ رمضان کے روزے اس جوہر کی  
تخلیق کے لیے اپنی خدمات آپ کو پیش کرنے لگے ہیں، اس کو غنیمت تصور کریں۔ "کوکن،  
باز رہنا اور پر نیزہ کرنا" روزے کی سوغات ہیں، اس میدان میں راسخ ہو کر نکلیں، ماسوی اللہ  
کے غلط چروکوں سے اپنے دین و ایمان کو محفوظ کر لیں۔

انسان کو جو چیز بدی کی طرف زیادہ مائل کرتی ہے۔ وہ نفس امارہ کا فتنہ ہے۔ مگر یہ  
ثابت شدہ حقیقت ہے کہ بھوک و پیاس اور قدم قدم پر اس کو لگام دینے سے، اس کی مزاحمت  
کم ہو جاتی ہے، زور گھٹ جاتا ہے، سرکشی میں فرق پڑ جاتا ہے اس لیے اب اگر انسان کامیاب  
پر نیزہ کی ترقیق سے ہم کنار ہوتا چاہتا ہے تو روزوں کا دامن تھام لے۔

اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔